دینی جدّوجہد کا اصل محور

(عصرِ حاضر کو ملحوظ رکھتے ہوئے)

جناب سید محمد صمیم پاشا صاحب

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں میں شاید ہی کوئی ایسا فرد بشر ہو جس کی نظر سے ایسی بے شمار آیات نہ گذریں۔ مثلاً:

— لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَہَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا

(بنی اسرائیل ۳۹)

"اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا بیٹھ ورنہ تو جہنم میں ڈال دیا جائے گا ملامت زدہ اور ہر بھلائی سے محروم ہو کر۔"

— اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ — (لقمٰن - ۱۳)

"شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

— وَمَا مِنْ اِلٰـہٍ اِلَّا اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَہَّارُ - ص - ۶۵)

"کوئی بھی معبود نہیں مگر اللہ جو یکتا ہے، سب پر غالب"۔

— لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (زمر - ۶۵)

"اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا۔ اور تم خسارے میں رہو گے۔"

مگر ایسی اور اسی مضمون کی سینکڑوں دوسری آیتوں کا ادنیٰ سا تاثر لیے بغیر بھی رہ جائے۔ اسی طرح دینِ اسلام سے سرسری واقفیت رکھنے والا بھی کوئی شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ اس دین کی تعلیمات اور اس کی تبلیغ کا مرکز و محور ہر حال اور ہر زمانے میں شرک کی تردید کرنا اور لوگوں کو بندگیٔ رب کی ترغیب دینا ہی مقرر کیا گیا ہے۔ اور باوجود اس کے کہ گذشتہ صدیوں میں اسلام کے نام لیواؤں میں سے مختلف گروہوں نے دین کی اس بنیادی تعلیم کو دعوت و تبلیغ کے میدان میں عملاً نظر انداز بھی کیا ہے، لیکن چاردانگ عالم میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ مذہبِ اسلام کا سرفہرست حکم ہی وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا (نساء ۳۶) "اور تم سب اللہ ہی کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ"۔ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دینی جدوجہد میں مرکزی اہمیت اسی بات کو حاصل ہے کہ لوگوں پر شرک کی قباحت و کراہت کو واضح کیا جائے اور اس کے ارتکاب کے دنیوی و اخروی مہلک نتائج سے خبردار کرتے ہوئے صرف اللہ ہی کو الٰہِ واحد اور رب تسلیم کرنے اور اسی ایک کی بندگی و نیازکیشی اختیار کرنے پر ان کو آمادہ و تیار کیا جائے۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر اسلام کی باقی ساری عمارت تعمیر ہوتی ہے، یہی وہ جڑ ہے جس پر قائم رہ کر ایمان کا شجر پھل پھول سکتا ہے۔ اور یہی وہ اصل پیغام ہے جس کو لے کر تمام انبیاء علیہم السلام آئے تھے۔ اور اسی کی فہمائش اور تلقین ان کی کل جدوجہد کی غایتِ اُولیٰ رہی تھی۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر صراحت کے ساتھ اس کا ذکر ہے اور صرف سورۂ اعراف ہی میں چار مقامات پر ان کی اس دعوت کو، ایک ہی پیرائے میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔

(آیات: ۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵)

"اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی اِلٰہ نہیں۔"

سورۂ نحل کی ایک آیت اس بارے میں نہایت جامع ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۝ (النحل-۳۶)

(ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیج دیا - اور اس کے ذریعے سے، سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو)

چنانچہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت بھی اصلاً یہی تھا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ - قُلْ إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۝ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝

(انبیاء - ۱۰۸)

(اے نبیؐ، ہم نے تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے - ان سے کہو میرے پاس جو وحی آتی ہے وہ یہ ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے - پھر کیا تم سر اطاعت جھکاتے ہو)۔

اور یہی وہ بات تھی جس کے لیے آپؐ مکہ کی گلیوں میں اللہ کے بندوں کو پکارتے تھے کہ قُولُوا لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ، تُفْلِحُوا (کہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور کامیاب ہو جاؤ)۔

انبیاء کا سلسلہ جب نبی عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا، تو اُس کے بعد آپؐ کے جانشین آپؐ کی اُمت ہے، جسے هُوَ اجْتَبَاكُمْ (اُس نے تمہیں چن لیا ہے) کا مژدہ سنا کر اور كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے)، اور وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا (اسی طرح ہم نے تم کو ایک اُمتِ وسط بنایا ہے)، سے اُس کے مقام و مرتبہ کا تعین کر کے، سارے عالم میں دینِ حق کی شہادت و اشاعت پر مامور کیا گیا - مگر یہ بڑی ہی دردناک حقیقت ہے کہ جس قوم کو اس عظیم اور اہم ترین منصب پر فائز کیا گیا تھا، اس میں فی زمانہ کم ہی لوگ ایسے رہ

گئے ہیں جو اس ذمہ داری کا احساس رکھتے ہیں۔ اور اس کا جمِ غفیر خوابِ غفلت کا شکار ہے۔ اللہ کے پسندیدہ دین ـــ اسلام ـــ کی علمبرداری کا کام اس کے سپرد تھا، اور اب اس کا قلیل حصہ ہی اس کام کی اہمیت کو سمجھتا ہے، بلکہ بڑے بڑے گروہ اس کے اندر ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو نت نئی ضلالتوں کا علم اُٹھائے ہوئے سوادالسبیل سے کہیں دُور چلے جارہے ہیں۔ اسلام کا سب سے نمایاں وصف ہی اس کا دینِ حنیف ہونا ہے: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ (اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اُس کے لیے خالص کر کے، بالکل یکسو ہو کر ـــ بیّنۃ ۵) لیکن وائے افسوس ملّت کی اکثریت ایمان کی اس اصل جڑ کے تحفظ و استحکام اور آبیاری سے بے خبر ہے۔ چنانچہ اُمت کا وہ سرسبز و شاداب شجرِ سایہ دار جو کبھی خدا فراموشی کے ویرانوں میں بندوں کو اُن کے ربّ کی رحمت و شفقت سے معمور ٹھنڈی چھاؤں مہیا کرتا تھا، اپنے اندر انہیں کھینچ لاتا تھا، اب سُوکھا اور اُجاڑ ہو کر اسی ویرانے کا حصہ بنتا جارہا ہے۔ شاید وہ زمانہ آگیا ہے جس کے بارے میں الصادق والمصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ: بَدَأَ الاسلام غریبا وسیعود کما بدأ غریبا (اسلام کا آغاز اجنبیت (بے کسی) کی حالت میں ہوا تھا اور پھر اُسی بے کسی کی حالت میں لوٹ جائے گا۔ صحیح مسلم)۔

اس اُمت آخر کی حالت یہاں تک گر چکی ہے کہ اُس کے اندر، اس کے بے شمار فرقوں کے زیرِ سرپرستی، مشرکانہ تصورات، جاہلانہ رسومات اور عقیدہ کی بدعتوں کا وسیع پیمانے پر نشوونما ہو رہا ہے۔ جس اُمت کو تمام عالم کے لیے حق کا گواہ بننا تھا، جسے جاہلانہ اوہام و خرافات کے تاریک اندھیرے چھانٹ کر نُورِ توحید سے دُنیا کو منوّر کرنا تھا، زمانے کی قیادت کر کے کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ (مائدہ ـ ۸) (اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہ کر انصاف کی گواہی دینے والے بنو) کی ہدایت پر عمل کرنا جس کی ذمہ داری تھی، ان فرقوں نے اُسے ناکارہ بنا کر رکھ دیا

ہے۔ جیسے اہلِ کتاب کو غلو فی الدین کے نقائص بتا کر الدین القیم کی طرف بلانا تھا خود اُسی کو اُن کے نقشِ قدم پر شبر بِشبرٍ وّ ذراعاً بذراعٍ (بالشت بالشت اور گز گز پر) چلایا جا رہا ہے۔

ان فرقوں کے احبار و رہبان (علماء و مشائخ) نے طغیان و استکبار کی قدیم مشرکانہ خواہشات کے زیرِ اثر، آخرت کی جواب دہی سے لاپروا ہو کر، حدود اللہ کا پاس نہ کر کے، تمسک بالقرآن والسنّۃ سے مستغنی ہو کر یا ان کی من پسند تاویلات کر کے، عوام کے لیے طرح طرح کی ضلالتیں جمع کر دی ہیں۔ نت نئی بدعات آئے دن گھڑتے ہیں اور عوام میں لا کر انھیں پھیلا دیتے ہیں۔ ان کے بقول انھیں ان ساری خرافات کے لیے قرآن و سنّت ہی سے دلیلیں ملتی ہیں۔ افسوس ان کے حال پر کہ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا کی تنبیہ کے باوجود نہ چونکے نہ جھجکے۔

قبر پر نشانی کے لیے پتھر لگانے کی حدیث سے بزرگوں کی قبروں پر بلند و بالا گنبد بنا کر انھیں مزیّن کرنے کے لیے انھوں نے استنباط کیا ہوا ہے۔ نم کنوم العروس والی حدیث سے یہ مروّجہ عرسوں کے لیے انعقاد کی اجازت بھی ڈھونڈ کر لاتے ہیں! انصار کی بچیوں کے دف بجانے والی حدیث سے یہ سماع بالمزامیر کو بھی ثابت کرتے ہیں! اور ایسی محافل منعقد کرتے ہیں، جن میں نہ صرف آلاتِ مزامیر کے ساتھ سماع ہی کی بدعت ہوتی ہے، بلکہ ہر طرح کے کُفر و شرک کو علی الاعلان نعتوں اور قصیدوں کی شکل میں نشر کیا جاتا ہے۔

ایک طرف لوگوں کو اولیاء پرستی کا سبق پڑھا رہے ہیں۔ چنانچہ بزرگوں کی اتباع تو مقصود نہیں رہی، البتہ ان کی شخصی عقیدتوں سے اُن کے بڑے بڑے خیالی بُت تراشے گئے ہیں۔ مشکل کشا سمجھ کر انھیں حاجتوں میں پکارا جاتا ہے۔ بے سروپا واقعات کی ہزار داستانیں ان کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ اللہ کی ربوبیت کا احساس بھی کم ہے اور اس سے اُمیدیں بھی کم ہیں، لیکن ان کے آستانوں پر سوالیوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ پروردگار کی کرم نوازیوں پر تشکر بھی برائے نام ہے۔ مگر ان کے مقابر کو سجانے

کا اہتمام خوب ہے۔

دوسری طرف اہلِ بیت کے مصائب کا ذکر، جو راہِ حق میں انہیں پہنچے، نہایت یاس انگیز طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ نوحوں اور مرثیوں میں کرب و بلا کے نقشے اس طرح کھینچے جاتے ہیں کہ ان کی متواتر سماعت کے بعد، پھر شاید ہی کسی کو آوازۂ حق کی جرأت ہو سکے۔ سوگ منانے کے باقاعدہ پروگرام تشکیل دیئے جاتے ہیں، جن کے ذریعے وہ ساری جاہلانہ رسومات فروغ پا رہی ہیں جن کا طعنہ کبھی دوسرے مذہبوں کو دیا جاتا تھا۔ سینہ کوبی کو، علم اور تعزیہ داری کو، تابوت اور شبیہوں کے جلوسوں کو مذہب کی سند عطا کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ آیاتِ متشابہات اور احادیث کے بعض متشابہ اجزاء کی انوکھی فلسفیانہ تاویلات کے ذریعہ حلول اور وحدت الوجود کے غیر منصوص بلکہ دینِ حنیف کے ساتھ متصادم تصورات کو تزکیۂ نفس کی راہ سے مقبول بنا رہے ہیں۔ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ مائدہ - ۱۵ (تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آگئی اور ایک حق نما کتاب) اس آیت سے عجیب و غریب نکات اخذ کر کے ایسی نادر تفسیریں سُنا رہے ہیں کہ بشریتِ رسول کا ناگزیر اسلامی عقیدہ قبول کرنے کے لیے عوام آسانی سے تیار نہیں ہوتے۔ شفاعت کے دینی تصور کو نت نئی آلائشوں کے ساتھ اس طرح پھیلا رہے ہیں کہ یہ تصور اگر ذہنوں میں راسخ ہو جائے تو پھر قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا - تحریم - ۶ (بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے)، کا حکم غیر مؤثر ہو جاتا ہے۔

الغرض یہ تو چند ایک ہی خرابیوں کا ذکر ہے ورنہ تو بدعات و مشرکانہ خرافات کا ایک وسیع کاروبار اس اُمت میں پھیلا یا گیا ہے، اور اب یہ اس حال کو پہنچ گئی ہے کہ امامت و قیادتِ زمانہ کی بات دُور رہی: اپنی عزت بچا کر رہنے سے بھی عاجز ہے اور در در کی ٹھوکریں کھا رہی ہے۔ استغنائیت کو بنیاد نہ بنا کر اور بعض شہروں اور علاقوں کی بظاہر مختلف حالت سے دھوکہ نہ کھا کر، بغور جائزہ لیا جائے تو اس

حقیقت سے انکار محال ہے کہ عام آبادی انہی فرقوں کے زیر اثر ہے۔

ان حالات کا جائزہ دل شکستگی یا ہمت ہار کر بیٹھ رہنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ حقیقت کُشائی مطلوب ہے تاکہ دینی جدوجہد کو صحیح سمت دے کر تیز تر کیا جا سکے۔ یوں بھی ایک مومن شدید سے شدید کیفیات کے باوجود مایوس نہیں ہوتا، بلکہ کامیابی کے امکانات پر غور کرتا ہے، کام کے نئے نئے ذرائع و وسائل تلاش کرتا ہے اور اپنے رب سے اُمید کے سہارے اُس کے دین کی خدمت میں لگا رہتا ہے۔ چنانچہ اس نظریے سے دیکھا جائے تو سب سے روشن پہلو یہ نظر آتا ہے کہ اب بھی اس قوم میں بہر حال ایسے لوگ موجود ہیں جو مسئلہ کی نوعیت کو کچھ نہ کچھ سمجھتے بھی ہیں اور مذکورہ بُرائیوں پر نہ صرف رنجیدہ و کبیدہ خاطر ہی ہیں بلکہ ان کے خلاف کسی نہ کسی قدر سعی بھی کرتے ہیں۔ یہ افراد ہی اُمید کی وہ کرنیں ہیں جو اگر یکسوئی کے ساتھ مجتمع ہو سکیں تو انشاء اللہ سورج بن کر طلوع ہوں۔ لیکن ان لوگوں کو بعض اندیشے اور غلط فہمیاں ایسی لاحق ہیں جو دل جمعی کے ساتھ ان کے تدارک پہ آمادہ کرتے ہیں، ان کے لیے رکاوٹ بن رہی ہیں، اس لیے پہلے مرحلے پر انہی کا ازالہ ضروری ہے۔

ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ "یہ برائیاں صرف یہی تو نہیں ہیں اور دوسری بھی تو ہیں، جو قوم کو بگاڑے دے رہی ہیں۔ یہ رشوت اور بد دیانتی کا عام رواج، فحاشی و عریانی کا بڑھتا ہوا سیلاب، بے رحمی و بربریت کے روز افزوں مظاہرے اور یہ اخلاقی و معاشرتی نوعیت کے سینکڑوں جرائم —— یہ بھی تو آخر پھوڑے اور ناسور بن کر جسدِ ملت کو تباہ کیے دیتے ہیں، ان برائیوں کا بھی تو اثر معاشرے پر ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی تو سہولت ہے کہ عام لوگ چونکہ خود بھی ان سے نالاں ہیں۔ اس لیے ان کے خلاف تبلیغ میں بھی آسانی ہے۔ ذرا سی محنت سے ان کے نقصانات سمجھائے جا سکتے ہیں۔ بعد میں بتدریج حکمت و مصلحت کے ساتھ عقیدہ کی اصلاح بھی ہو جائے گی۔

ان خیالات اور اس نظریہ سہولت کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دعوتِ توحید ان

کی دینی مساعی میں ایک ثانوی درجہ کی شے بن کر رہ جاتی ہے اور اپنا وہ حقیقی حصّہ لینے سے محروم ہو تبلیغی کاموں میں اس کے لیے ہونا چاہیے تھا، بلاشبہ دوسری خرابیاں بھی قوم کو روگ لگا رہی ہیں۔ اور یقیناً ان سے صرف نظر بھی غیر مناسب ہے۔ اور اس خیال کی تائید بھی مقصود نہیں ہے کہ فی الوقت ساری تبلیغ کو شرک کے خلاف ہی مرکوز ہونا چاہیے۔ کیونکہ حالات مکّی دَور سے مماثل ہیں۔ اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دعوت کے اس مرحلے میں صرف شرک ہی پر نکیر فرمائی تھی اور اخلاقی و معاشرتی بُرائیوں پر مدنی دَور میں آواز بلند کی تھی ——— نہیں، صحیح موقف یہ ہے کہ اسلام ایک مکمل دین اور ایک جامع تصورِ حیات ہونے کی حیثیت سے معاشرے کا ہمہ پہلو جائزہ لیتا ہے، اور قطع نظر اس سے کہ موجودہ حالات مکّی دَور سے کتنی اور کیسی مماثلت رکھتے ہیں، آخر نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں، ان دوسری اقسام کے عیوب پر نہ صرف مدنی دَور میں بلکہ مکّی دَور میں بھی تو گرفت فرمائی تھی ——— قرآن مجید سے یہ حقیقت نمایاں ہے۔ اور مکّی سورتوں میں ان معاصی کے لیے بھی زجر و توبیخ پائی جاتی ہے۔ لیکن دوسری طرف قرآن مجید ہی سے یہ بھی واضح ہے کہ آپ کی تمام تر جد وجہد کا محور مکّہ ہی نہیں، مدینہ میں بھی ایک ہی تھا، یعنی اللہ کے بندوں کو شرک کی غلاظتوں سے نکال کر اُسی یکتا و تنہا کی عبودیّت و اطاعت پر آمادہ کرنا۔

(باقی)